فقہ الجنایات میں سقوطِ سزا کے اسباب میں فقہاء کرام کے اختلافات کا تحقیقی جائزہ

The jurisprudential differences of the jurists in the causes of the fall of punishment: A research review

Altafur Rehman
Research Scholar, Department of Usool ud din, University of Karachi
Email: altafakhon1@gmail.com

Hussain Ahmad
Research Scholar, Department of Quran o Sunnah, University of Karachi
Email: hussainsaif3030@gmail.com

ABSTRACT
According to the Islamic Shari'ah, the criminal is given a fixed punishment for the crime, if he repeats it, the punishment will be severe and if he becomes a habitual crime, he will be killed or imprisoned forever. In this way the society will be protected from its evil. But there are different reasons for the end of some punishments, but there is no such general reason that can cause the fall of every punishment in general, but different reasons have different effects on the punishments, there are some reasons that often Most of the punishments are suspended, and there are some that are less severe and some reasons are specific to certain punishments. All of them will be mentioned in the article under review.
Keywords: fixed punishment, crime, Islamic Shari'ah, code of life

شریعتِ اسلامیہ میں بالاتفاق مُجرم کو جرم کی مقررہ سزا دی جاتی ہے، اگر وہ اس کا اعادہ کرے گا تو سزا میں سختی ممکن ہو گی اور اگر وہ عادت جرم اختیار کرلے تو اسے قتل کر دیا جائے گا یا ہمیشہ کے لیے محبوس کر دیا جائے گا اور اس طرح سماج کو اس کے شر سے محفوظ کر دیا جائے گا، لیکن بعض سزاؤں کے ختم ہونے کے مختلف اسباب ہیں، مگر کوئی ایسا عمومی سبب نہیں ہے جو ہر سزا کے سقوط میں بالعموم سبب بن سکے، بلکہ مختلف اسباب کے عقوبات پر مختلف اثرات مرتب ہوتے ہیں، بعض اسباب ایسے ہیں کہ جن سے اکثر و بیشتر سزائیں سزائیں ساقط ہو جاتی ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ جن سے کم تر سزائیں ساقط ہوتی ہیں اور بعض اسباب کچھ سزاؤں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ زیرِ نظر آرٹیکل میں بھی سقوطِ سزا میں فقہاء کرام کے فقہی اختلافات تفصیل کے ساتھ ذکر کئے جائیں گے۔

مُجرم کی موت

جسمانی سزائیں اور مُجرم کی ذات سے متعلق سزائیں "مُجرم کی موت" سے ساقط ہو جاتی ہیں، کیونکہ "محلِ عقوبت" تو خود مُجرم ہے اور اس محل کے عدمِ وجود کے بعد سزا کا تصور ممکن نہیں ہے۔ لیکن اگر مالی سزا ہو جیسے

دیت، تاوان اور ضبطی وغیرہ تو یہ سزائیں مُجرم کی موت سے ساقط نہیں ہوں گی، کیونکہ یہاں محلِ سزا مال ہے اس کی ذات نہیں اور مُجرم کے مال پر سزا کا اجراء مُجرم کی موت کے بعد بھی ہو سکتا ہے۔ فقہاءِ کرام کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ اگر مُجرم کی موت کی بناء پر سزائے قصاص ساقط ہو جائے تو کیا اس کے مال میں دیت واجب ہو گی یا نہیں ہو گی۔؟ امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ قصاص کے منعدم ہو جانے پر قصاص کی سزا کا سقوب تو مرتب ہوتا ہے مگر قاتل کے مال میں دیت واجب نہیں ہوتی کیونکہ قصاص تو بالعین واجب ہے مگر دیت قصاص کے بدلے میں اسی وقت واجب ہوتی ہے جب مُجرم ایسا چاہے، پس اگر مُجرم مر جائے تو قصاص ساقط ہو جائے گا مگر دیت واجب نہیں ہو گی کیونکہ مُجرم نے خود "دیت" اپنے اوپر لازم نہیں کی، اس میں کوئی فرق نہیں کہ مُجرم کی موت کسی "آفتِ سماوی" سے واقع ہو یا اسے کوئی شخص جائز طریقے سے مار ڈالے۔ اگر مُجرم بیمار ہو کر مر گیا، یا کسی شخص کے قصاص میں قتل ہو گیا یا زنا اور ارتداد میں قتل کر دیا گیا تو ان حالات میں سزائے قصاص ساقط ہو جائے گی اور اس کے بدلے میں "دیت" واجب نہیں ہو گی۔

علامہ عبد اللہ محمد فرماتے ہیں کہ "امّا اِذا قتل الجانی ظلماً فیریٰ مالک ان القصاص لاولیاء المقتول الاّول فمن قتل رجلاًفعدا علیه اجنبی فقتله عمداً فدمه لاولیاء المقتول الاول ویقال لاولیاء المقتول الثانی ارضوا اولیاء المقتول الاول و شانکم بقاتلی ولیکم فی القتل او العفو،فان لم یرضوهم فلااولیاء المقتول الاول قتله او العفو عنه،ولهم ذلک ان لم یرضوا بما بذلوا لهم من الدیة أو أکثر منها وإن قتل خطاء فدیته لأولیاء المقتول الأول"[1] اگر مجرم ظلماً قتل ہو جائے تو امام مالکؒ کی رائے کے مطابق قصاص مقتول اوّل کے اولیاء لیں گے، مثلاً کسی نے کسی شخص کو قتل کر دیا اور اس قاتل کو ظلماً اور عمداً کسی اور قتل کر دیا تو اس کا خون مقتولِ اوّل کے اولیاء کے لئے ہو گا اور مقتول ثانی کے اولیاء کو کہا جائے گا کہ مقتول اوّل کے اولیاء کو راضی کر لیں اور اپنے ولی کے قاتل سے قتل یا معافی کا جو معاملہ چاہو کر و اور اگر وہ راضی نہ ہوں تو جو دیت انہوں نے صرف کی ہے وہ یا اس سے زیادہ وہ لے سکتے ہیں اور اگر مُجرم خطاء قتل ہوا ہو تو اس کی دیت مقتول اوّل کے اولیاء کے لئے ہو گی۔

علامہ کاسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "ویسوی أبو حنیفة بین الموت بحق والموت بغیر حق فکلاهما یسقط حق القصاص سقوطاً مطلقاً ولا یوجب الدیة فی مالِ الجانی ولا فی مالِ غیره اِذا جنیٰ علیه"[2]

امام ابو حنیفہؒ موت بحق اور موت بغیر حق کو یکساں قرار دیتے ہیں۔ اور دونوں صورتوں میں علی الاطلاق سقوطِ قصاص کے قائل ہیں اور مُجرم کے مال میں دیت کے وجوب کے قائل نہیں ہیں اور اگر کسی دوسرے مجرم نے اس پر زیادتی کی ہو تو اس کے مال میں دیت واجب نہیں ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی رائے ان دو بزرگوں سے بالکل مختلف ہے وہ فرماتے ہیں کہ "أنّ فوات محلِ القصاص یسقط عقوبة القصاص فی کل الاحوال سواء کان الموت بحق او بغیر حقولکنه یؤدّی اِلی وجوبِ الدیة فی مال الجانی"[3] محلِ قصاص کے ختم

ہو جانے سے تمام صورتوں میں سزائے قصاص ساقط ہو جاتی ہے، خواہ موت مُجرم بحق ہو یا بغیر حق ہو، مگر مُجرم کے مال میں دیت واجب ہے کیونکہ ان کے نزدیک قتل کے موجب دو امور میں میں سے کوئی ایک ہے یعنی غیر عین قصاص اور دیت اور اگر ان میں سے ایک محل کے ختم ہو جانے کی بناء پر جاری نہ ہوسکے تو دوسرا واجب ہو جائے گا اور اس لئے کہ جو تاوان دو سببوں کے ساتھ علی سبیل البدل ہو اس میں اگر سبب کا وجود دشوار ہو تو دوسرا سبب ثابت ہو جائے گا۔

قصاص سے محل کا ختم ہو جانا

خلاصہ کے طور پر یہ سمجھنا ضروری ہے کہ یہاں قصاص سے مراد "مادون النفس" قصاص ہے اور محلِ قصاص کے ختم ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ عضو ضائع ہو جائے جس پر قصاص جاری ہونا ہے باوجودیکہ مُجرم زندہ ہو۔ غرض جائے قصاص کے ختم ہو جانے سے مادون النفس قصاص کی سزا ساقط ہو جاتی ہے۔

اور اصول یہ ہے کہ مادون النفس کی جائے قصاص جائے جرم کے مماثل عضو ہے اگر جائے قصاص ختم ہو جائے تو قصاص ساقط ہو جائے گا کیونکہ قصاص کا محل معدوم ہو چکا ہے اور محل کے عدم ہو جانے کے بعد شئی کا وجود ممکن نہیں ہے۔ اگر قصاص حق سے ساقط ہو جائے تو امام مالکؒ کے نزدیک مجنیٰ علیہ کے لئے کچھ لازم نہیں ہے اس کی وضاحت شرح الدردیر میں ہے۔"لأنّ حق المجنیٰ علیه فی القصاص عینی فإذا سقط القصاص فقد سقط حق المجنیٰ علیه،أمّا إذا فات محل القصاص بظلم فإن هق القصاص ینتقل الی الظالم"[4]

کیونکہ قصاص میں مجنیٰ علیہ کا حق عینی ہے اگر قصاص ساقط ہو گا تو مجنیٰ علیہ کا حق بھی ساقط ہو جائے گا اگر محلِ قصاص ظلماً ساقط ہوا ہے تو حقِ قصاص ظالم کی جانب منتقل ہو جائے گا۔ امام ابو حنیفہؒ اس امر کے قائل ہیں کہ موجب عمد قصاص عیناً ہے، وہ اس میں فرق کرتے ہیں بدائع الصنائع میں اس کی مکمل تفصیل ہے که "اما إذا فات محل القصاص بآفة أو مرض أو ظلماً،وبین فواته بحق کتنفیذ عقوبة أو استیفاء قصاص،وفی الحالة الاولیٰ یریٰ ان المجنیٰ علیه لا یجب له شئء بفوات محل القصاص،اما فی الحالة الثانیة فیریٰ أن المجنیٰ علیه تجب له الدیة بدلاً من القصاص،لان الجانی قضیٰ بالطرف أو الجارحة التی فاتت حقاً مستحقاًعلیه"[5] محلِ قصاص کسی آفت، مرض یا ظلم سے ختم ہوا ہو یا کسی حق بناء پر ختم ہوا ہو جیسے ن "فاذِ سزا" اور "استیفاء قصاص" ان کے نزدیک پہلی حالت میں مجنیٰ علیہ کے لئے قصاص کی بجائے دیت واجب ہے کیونکہ مُجرم نے اس عضوء کو ختم کر دیا ہے جس میں حقِ مستحق فوت ہو گیا ہے۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کی رائے یہ ہے کہ اگر محلِ قصاص ختم ہو جائے تو مجنیٰ علیہ کو دیت لینے کا حق حاصل ہو گا خواہ محلِ قصاص کے ضیاع کا کوئی بھی سبب ہو، کیونکہ ان کے نزدیک موجب عمد دو میں سے ایک شئی ہے۔ خاص طور پر قصاص یا دیت نہیں ہے۔ سو اگر محلِ قصاص جاتا رہے تو دیت لازم آجائے گا۔

مجرم کی توبہ

شریعتِ اسلامیہ (بالاتفاق ائمہ) توبہ سے جرمِ حرابہ کی وہ سزا ساقط ہو جاتی ہے جو معاشرے پر اثر انداز ہونے والے افعال پر جاری ہوتی ہے، کیونکہ فرمانِ الٰہی ہے: الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیھم فاعلموا ان اللہ غفور رحیم"[6] مگر ہاں وہ لوگ جو اس سے پہلے پہلے کہ تم ان پر قابو پاؤ تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔ خلاصہ یہ کہ اگر محارب گرفت سے قبل توبہ کرے تو معاشرے پر اثر انداز ہونے والے جرائم کی مقررہ سزائیں ساقط ہو جائیں گی، لیکن جو سزائیں افراد کے حقوق پر اثر انداز ہونے والے جرائم سے متعلق ہیں وہ ساقط نہ ہونگی محارب پر گرفت ہونے سے پہلے ہو۔

صلح

صلح بھی سقوطِ سزا کا ایک سبب ہے مگر یہ صرف قصاص اور دیت پر اثر انداز ہوتا ہے باقی ان سزاؤں پر صلح اثر انداز نہیں ہوتی۔ فقہائے کرام اس امر پر متفق ہیں کہ صلح سے قصاص ساقط ہو جاتا ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قصاصپر صلح پوری دیت یا کم از کم دیت پر ہو۔ صلح کی دلیل سنت اور اجماع ہے، چنانچہ عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص عمداً کسی کو قتل کرے اسے اولیاء مقتول کے سپرد کر دیا جائے اور اگر وہ چاہیں تو قتل کر دیں اور چاہیں تو قصاص لے لیں اور جس مقدار پر وہ صلح کریں وہ ان کے لئے درست ہے"۔ علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ"وفی عہدِ معاویة قتل ھدبه ن خشرم قتیلاً فبذل سعید بن العاص والحسن والھسین لابن المقتول سبع دیات لیعفوا عنه فابی ذلک وقتله"[7]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ھدبۃ بن خشرم نے کسی شخص کو قتل کر دیا، تو سعد بن عاص حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے مقتول کے بیٹے کو سات دیتوں کے بالمقابل پیشکش کی تاکہ وہ اسے معاف کر دے مگر اس نے انکار کیا اور انہیں قتل کر دیا۔ کیونکہ قصاص مال نہیں ہے اس لئے اس پر "صلح" جائز ہے جس طرح بھی فریقین میں اتفاق ممکن ہو، اس لئے کہ یہ ایسی صلح ہے جس میں سود کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے اشیاء پر صلح کرلی جائے اسی لئے صلح کا "بدل دیت" میں سے کم یا زیادہ پر اتفاق بھی ہو سکتا ہے یا علاوہ دیت کے کسی اور شئی پر صلح کرلی جائے جو علی الفور لی جائے یا موجل لی جائے۔ اور اگر صلح دیت پر پر ہو قصاص پر نہ ہو تو دیت سے زیادہ صلح جائز نہیں ہے کیونکہ یہ ربا متصور ہوگا مثلاً دیت پر ایک سو بیس اونٹوں میں صلح جائز نہیں، کیونکہ دیت تو صرف سو اونٹ ہیں اور اس میں زیادتی ربا ہے۔

معافی

معافی بھی سقوط سزا کا ایک سبب ہے، مجنیٰ علیہ بھی معاف کر سکتا ہے اور اس کا ولی بھی معاف کر سکتا ہے اور ولی امر بھی معاف کر سکتا ہے مگر معافی بہر حال سقوطِ سزا کا ایک عام سبب نہیں ہے بلکہ ایک خاص سبب ہے جس سے بعض جرائم میں سزا ساقط ہوتی ہے اور بعض میں نہیں ہوتی، معافی کا ایک اصولِ کلی یہ ہے کہ یہ جرائم حدود پر اثر انداز نہیں ہوتی بلکہ جرائم حدود کے سوا دیگر جرائم میں درجہ ذیل تفصیل کے مطابق اثر انداز ہوتی ہے۔

جرائم حدود اور معافی

جن جرائم میں عقوباتِ حدود واجب ہوتی ہیں ان میں معافی اثر انداز نہیں ہوتی اور خواہ مجنیٰ علیہ معاف کرے یا ولی امر معاف کرے یہ بہر حال بے اثر ہے کیونکہ ان جرائم میں سزا لازمی اور حتمی ہے فقہاء اس کی تعبیر حق اللہ کے لفظ کے ساتھ کے ساتھ کرتے ہیں کیونکہ جو حق اللہ ہو اس کا معاف کرنا یا ساقط کرنا درست نہیں ہے۔ سزا سے عدمِ معافی کے جواز یا اسقاط کا یہ نتیجہ مرتب ہوتا ہے کہ جو شخص پر حدِ مہلک واجب ہے اسے وجوبِ حد میں (ہدر) خون رائگان متصور کیا جائے، اگر حد اس کے نفس پر واجب ہے تو اس کی جان رائگان ہے اور اگر اس کے کسی عضو پر واجب ہے تو وہ عضو رائگان ہے۔

قصاص اور دیت کے جرائم میں معافی

شریعت مجنیٰ علیہ یا اس کے ولی کو اجازت دیتی ہے کہ وہ قصاص اور دیت کی سزائیں معاف کر دے، اس کے عالوہ قصاص اور دیت کی دیگر سزائیں نہیں، مثلاً وہ سزائے کفارہ کو معاف نہیں کر سکتا اور اس کی معافی کے بعد ولی امر کے تعزیری سزا دینے کے حق پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ قصاص اور دیت کے جرائم میں کی مقررہ سزائیں جیسے قصاص اور کفارہ ولی امر معاف نہیں کر سکتا مگر وہ مُجرم کو دی جانے والی کوئی بھی تعزیری سزا معاف کر سکتا ہے اور وہ تمام سزا یا سزا کا کچھ حصہ بھی معاف کر سکتا ہے۔ مجنیٰ علیہ یا اس کے ولی کے معاف کر دینے کی اصل کتاب و سنت ہے، قرآن کریم نے "یا ایھا الذین آمنوا کتب علیکم القصاص" کے بعد ارشاد فرمایا "فمن عفی له من اخیه شئ فاتباع بالمعروف وادآء الیه باحسان"[8] پھر جس قاتل کو اس کے بھائی یعنی طالبِ قصاص کی جانب سے کچھ معاف کر دیا جائے تو طالبِ دیت یعنی وارث مقتول کو بھلائی کی پیروی کرنی چاہیے اور قاتل کو خوش دلی کے ساتھ خون بہا ادا کرنا چاہیے۔ اور و کتبنا علیھم فیھا کے بعد فرمایا فمن تصدق به فھو کفارة له"[9] المائدہ۵:۴۵ پھر جس نے بدلہ لینے کو معاف کر دیا اس معاف کرنے والے کے لئے کفارہ ہو گی۔ سنت میں حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب جب قصاص کا مسلہ پیش کیا جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں معافی کا حکم فرما دیتے۔ امام شافعیؒ اور امام

احمدؒ کی رائے کے مطابق قصاص کو بلا معاوضہ چھوڑ دینا یا دیت لے کر چھوڑ دینا قصاص کو معاف کر دینا ہے، "فمن تنازع عن القصاص من القاتل مجاناً فهو عاف،اما التنازل عن القصاص مقابل الدية فهو ليس عفواً وإنما هو صلح،لان الجانى لا يلزم بالدية إلا إذا قبلها"[10] اس لئے جس نے قصاص کو بلا معاوضہ چھوڑ دیا اس نے بھی قصاص کو معاف کر دیا اور جس نے دیت لیکر چھوڑ دیا اس نے بھی معاف کر دیا۔ امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قصاص بلا معاوضہ ساقط ہوتا ہے۔ البحر الرائق میں ہے کہ "والعفو عند مالك وأبو حنيفة العفو عن القصاص على الدية صلحا لا عفوا،لان الجانى لا يلزم بالدية الا اذا قبلها"۔[11] اور دیت کے مقابلے میں قصاص کو چھوڑنا معافی نہیں صلح ہے، کیونکہ مجرم پر دیت جب ہی عائد ہوتی ہے جب وہ اسے قبول کرے۔

خلاصہ کلام

امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ دیت کے بالمقابل قصاص کے معاف کر دینے کو معافی نہیں بلکہ صلح قرار دیتے ہیں، کیونکہ ان کے یہاں واجب عمد قصاص عین ہے اور اس لئے کہ ان کے نزدیک دیت مُجرم کی رضا مندی سے عائد ہوتی ہے اور دیت کے بالمقابل قصاص کا اسقاط طرفین کی رضامندی کا متقاضی ہے تو وہ صلح ہے معافی نہیں ہے جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ دیت کے بالمقابل قصاص کے معاف کرنے کو صلح نہیں معافی قرار دیتے ہیں کیونکہ واجب عمد ان کے یہاں دو میں سے ایک امر ہے، عینِ دیت یا عینِ قصاص نہیں ہے۔ مجنیٰ علیہ یا اس کے ولی کا اختیار مُجرم کی رضامندی کا محتاج نہیں ہے، پھر چونکہ قصاص دیت سے زیادہ شدید ہے تو قصاص کا سقوط اور دیت کا اختیار سقوط محض ہی ہے بدلے میں ساقط کرنا نہیں ہے بلکہ یہ حق چھوڑ کر کمتر حق پر راضی ہونا ہے، اس لئے یہ معافی ہے کیونکہ اسقاطِ محض ایک جانب سے ہوا ہے اور دوسری جانب کے اتفاق پر موقوف نہیں ہے۔ جس طرح قصاص کا معاف کرنا جائز ہے اسی طرح دیت کا معاف کرنا بھی جائز ہے خواہ دیت سزائے اصلی ہو جیسے قتلِ خطاء میں یا قصاص کی جگہ واجب ہوئی ہو۔

جرائم تعزیر کی معافی

فقہائے کرام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ جرائم تعزیر میں ولی امر کو کلیۃً معافی کا حق حاصل ہے وہ جرم کو بھی معاف کر سکتا ہے اور جرم کی سزا کو بھی اور پوری سزا کو بھی، مگر اس امر میں اختلاف ہے کہ کیا ولی امر کو تمام تعزیراتی جرائم میں کلیۃً معافی کا حق حاصل ہے وہ جرم کو بھی معاف کر سکتا ہے اور جرم کی سزا کو بھی اور بعض سزا کو۔ مگر اس امر میں اختلاف ہے مگر اس امر میں اختلاف ہے کہ کیا ولی امر تمام تعزیراتی جرائم میں معافی کا حق حاصل ہے یا بعض میں حاصل ہے اور بعض میں نہیں ہے۔ چنانچہ فتح القدیر کے مطابق بعض فقہاء کی رائے یہ ہے "ان ليس لولى الامر حق العفو فى جرائم القصاص والحدود التامة التى امتنع فيها القصاص والحد،وان هذه الجرائم يعاقب عليها

بالعقوبات التعزيرية المناسبة ولا عفو فيها لا عن الجريمة ولا عن العقوبة۔أما ما عداها من الجرائم فلولى الامر فيها أن يعفو عن الجريمة وأن يعفو عن العقوبة اِذا رأى المصلحة فى ذلک بعد مجانية هوى نفسه"[12]۔

کہ ان مکمل جرائم قصاص وحدود میں کہ جس میں قصاص وحد ممتنع ہو گیا ہو،ولی امر کو معافی کا اختیار نہیں ہے اور ان جرائم میں مناسب تعزیری سزائیں دی جائیں گی اور نہ جرم معاف ہو گا اور نہ سزا معاف ہو گی ان کے علاوہ دیگر جرائم میں ولی امر ذاتی غرض سے بالاتر ہو کر اجتماعی مفاد کی کی خاطر جرم اور سزا دونوں کو معاف کر سکتا ہے۔بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ ولی امر کسی مصلحت کی بناپر جرم وسزا معاف کرنے کا اہل ہے۔الاحکام السلطانیۃ میں ہے کہ"ان لولى الامر فى كل الجرائم المعاقب عليها بالتعزير أن يعفو عن الجريمة وأن يعفو عن العقوبة اِذا كان فى ذلک مصلحة"[13]۔

وہ تمام چیزیں کہ جن میں تعزیری سزا دی جائے،ان میں ولی امر اگر تقضائے مصلحت محسوس کرے تو جرم اور سزا دونوں کو معاف کر سکتا ہے۔مگر فریقِ اوّل کی رائے جرائم حدود وقصاص میں شریعت کی منطق کے مطابق ہے۔۔اسنیٰ المطالب میں اس کی وضاحت موجود ہے۔"وللمجنى عليه فى جرائم التعزير أن يعفو عما يمس شخصه كما فى الضرب والشتم،ولكن عفوه لا يوثر على حق الجماعة فى تأديب الجانى وتقويمه،فاذا عفا المجنى عليه انصرف عفوه اِلى حقوقه الشخصية"[14]۔جرائم تعزیر میں جو جرائم مجنیٰ علیہ کی ذات پر اثر انداز ہوتے ہیں،جیسے مارنا اور گالی دینا،تو مجنیٰ علیہ ان کو معاف کر سکتا ہے مگر اس کی یہ معافی معاشرے کے مُجرم کو تادیب کرنے کے حق پر اثر انداز نہیں ہو گی،اس لئے اگر مجنیٰ علیہ معاف کرے گا تو اس کی معافی اس کی ذاتی حقوق سے متعلق ہو گی۔

لیکن مواهب الجلیل کی عبارت کچھ یوں ہے۔"اِذا عفا ولى الامر فى جرائم التعازير عن الجريمة أو العقوبة فان عفوه لايؤثر بأى حال على حقوق المجنى عليه"[15]۔اور اگر جرائمِ تعزیر میں ولی امر نے جرم یا سزا کو معاف کر دیا تو اس کی معافی کسی بھی حال میں مجنی علیہ کے حقوق پر اثر انداز نہیں ہو گی۔

وراثتِ قصاص

اگر قصاص وراثتاً اس شخص کو منتقل ہو جسے مجرم سے قصاص یا کسی حصہ قصاص لینے کا حق نہیں ہے تو سزائے قصاص ساقط ہو جائے گی۔الشرح الکبیر میں ہے کہ"ذا ورث الجانى نفسه كل القصاص أو بعضه،فمثلاً اِذا كان فى ورثة المقتول ولد للقاتل فلا قصاص،لان القصاص لا يتجزأ،وما دام لا يجب بالنسبة لولد القاتل،لان الولد لا يقتص من أبيه فهو لايجب للباقين۔واِذا قتل أحد ولدين أباه ثم مات غيرالقاتل ولا وارث له اِلا القاتل فقد ورث القاتل دم نفسه كله ووجب القصاص فان

القصاص يسقط ولمن بقى من المستهقين نصيبهم من الدية"[16] اسی طرح اگر مجرم خود تمام قصاص یا کسی قصاص کا وارث ہو جائے تو قصاص ساقط ہو جائے گا، جیسے اگر مقتول کے ورثاء قاتل کا لڑکا بھی ہو، تو قصاص نہیں ہے، کیونکہ قصاص کی تقسیم نہیں ہو سکتی، وہ قصاص چونکہ ولد قاتل کی نسبت سے واجب نہیں ہوتا اس لئے وہ باقی ورثاء پر واجب نہیں ہو گا۔ اور اگر ایک لڑکے نے اپنے باپ کو قتل کر دیا، پھر دوسرا لڑکا جو قاتل نہیں تھا، مر گیا اور قاتل کے سوا کوئی وارث نہیں بچا تو گویا قاتل خود اپنے خون کا وارث ہو گیا لہذا قصاص ساقط ہو جائے گا اور اسی طرح باقی ورثاء سے بھی قصاص ساقط ہو جائے گا خواہ وہ اس کے بعض حصے کے وارث ہوئے ہوں اور باقی مستحقین کو ان کا دیت میں حصہ مل جائے گا۔

تقادم

تقادم کا مفہوم یہ ہے کہ فیصلہ سزا کو نافذ ہوئے بغیر ایک عرصہ گزر جائے اور اس عرصے کے گزرنے سے سزا کا نفاذ رک جائے۔ اسی کو دوسرے الفاظ میں زائد المیعاد کہتے ہیں۔ التشریع الجنائی الاسلامی میں ہے کہ "وآرء الفقهاء المختلفة يمكن ردّها إلى نظريتين:النظرية الاولى:وهى تقوم على مذهب مالك والشافعى واحمد،ولخس فى أن العقوبة لا تسقط مهما مضى عليها من الزمن دون تنفيذ،وأن الجريمة لا تسقط مهما مضى عليها من الزمن دون محاكمة،مالم تكن العقوبة من عقوبات التعازير وما لم تكن الجريمة من جرائم التعازير،فان العقوبة أو الجريمة تسقط بالتقادم إذا رأى ذلك أولوالامر تحقيقاً لمصلحة عامة"۔

پہلا نظریہ وہ ہے جس پر امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے مسلک کی اساس ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خواہ کتنا ہی وقت بغیر تنفیذِ سزا کے گزر جائے سزا ساقط نہیں ہو سکتی اور جرم پر عدالتی کاروائی کو خواہ کتنی ہی تاخیر ہو جائے جرم ساقط نہیں ہو سکتا۔ بشرطیکہ سزا سزائے تعزیر نہ ہو اور جرم جرم تعزیر نہ ہو کیونکہ اگر ولی امر اسے مفادِ عامہ کے مطابق محسوس کرے تو سزائے تعزیر اور جرمِ تعزیر تقادم سے ساقط ہو سکتے ہیں۔

النطرية الثانية:وقوامها مذهب أبى حنيفة،واصحابها يتفقون مع اصحاب النظرية الاولى فى القول بالتقادم فى العقوبات التعزيرية وفى امتناع التقادم فى العقوبات المقررة لجرائم القصاص والدية وفى جريمة القذف دون غيرهامن جرائم الحدود،أما بقية جرائم الحدود فيرون أن عقوباتها تسقط بالتقادم-وأبو حنيفة وأصحابه على هذا الرأى عدا زفر فانه لا يرىٰ سقوط عقوبة الحد بالتقادم"[17]۔

دوسرا نظریہ جس پر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کا مسلک کا قائم ہے۔ اور یہ حضرات تعزیری عقوبات میں پہلے نظریے کے مطابق تقادم کو تسلیم کرتے ہیں اور جرائم قصاص و دیت اور قذف کی سزاوں میں تقادم کے قائل نہیں ہیں البتہ ان کے علاوہ باقی جرائمِ حدود میں سزا ان کے نزدیک تقادم ساقط ہو جاتی ہے۔ یہ رائے امام ابو حنیفہؒ اور

ان کے اصحاب کی ہے مگر امام زفرؒ تقادم سے سزائے حد کے سقوط کے قائل ہیں وہ اس میں فرق کرتے ہیں کہ جرم کی دلیل شہادتِ شہود ہے یا اقرار ہے، اگر شہادت شہود ہے تو سزا تقادم سے ساقط ہو جائے گا اور اگر دلیل اقرار ہے تو سزا ساقط نہیں ہو گی۔

خلاصہ بحث

خلاصہ یہ ہے کہ حنفی فقہاء جرائم حدود میں قبولِ شہادت کی یہ شرط لگاتے ہیں کہ جرم میں تقادم نہ ہوا ہو اور اس شرط سے صرف قذف کو مستثنیٰ کرتے ہیں کیونکہ قذف میں مجنیٰ علیہ کا دعویٰ پیش کرنا لازمی ہے اور گواہ مجنیٰ علیہ کے دعویٰ سے قبل گواہی نہیں دے سکتا۔ جبکہ قذف کے علاوہ دیگر جرائم میں گواہ جرم کی خبر پہنچا سکتا اور گواہی دے سکتا ہے اور اس کی گواہی مجنیٰ علیہ کے دعویٰ پر موقوف نہیں ہے۔ تقادمِ جرم میں حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ جرم کی گواہی میں شاہد کو اختیار ہے کہ وہ فوراً بلا طلب خدا ترسی کی خاطر گواہی دے دے۔

حوالہ جات

1۔ الکاسانی، علاء الدین أبو بکر بن مسعود بن أحمد الکاسانی الحنفی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، دار الکتب العلمیۃ، 1406، 1986م ج۷، ص۲۳۱

2۔ ایضاً، ص۲۴۶

3۔ أبو اسحاق إبراهیم بن علي بن یوسف الشیرازي، المھذب في فقۃ الإمام الشافعي، دار الکتب العلمیۃ (س ن) ج ۲، ص ۱۴۷

4۔ محمد بن احمد بن عرفۃ الدسوقي، حاشیۃ الدسوقي علی الشرح الکبیر، دار الفکر، (س ن) ج۲، ص ۲۱۳

5۔ بدائع الصنائع، ج۷ ص۲۹۸

6۔ سورۃ المائدہ آیت ۳۴

7۔ ابنِ قدامہ، المغنیٰ، مکتبۃ القاھرۃ، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۸۸ھ ج۹، ص۴۷۷

8۔ سورۃ البقرہ، آیت ۱۷۸

9۔ سورۃ المائدۃ آیت ۴۵

الشرح الکبیر ج۹ ص10 ۴۱۷

11۔ زین العابدین ابن نجیم الحنفی، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، دار الکتب العلمیہ، ط418/1997، ج۸ ص ۳۰۰

12 ۔ منصور بن یونس بن ادریس البھوتی عالم الکتب، کشاف القناع علی متن الاقناع، ۱۹۸۳، ۱۴۰۳ ج ۴، ص ۳۴۹

13 ۔ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن محمد بن عبد الرحمن الطبرالسی المغربی، مواھب الجلیل فی شرح مختصر الخلیل، دار الفکر، ۱۴۱۲ھ، ج ۲، ص ۳۲۰

14۔ اسنیٰ المطالب ج ۴، ص ۱۶۳

ایضاً

15۔ اسنیٰ المطالب، ج ۴، ص ۱۶۳

16۔ الشرح الکبیر للدردیر ج ۴ ص ۲۳۳

17۔ التشریع الجنائی الاسلامی، ص ۷۷۹